

منٹو: فکشن، استعماری جبر اور بغاوت

MANTO: FICTION, COLONIAL EXPLOITATION AND REBELLION

محمد راشد اقبال

لیکچرر (شعبہ اُردو)، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، قصور

ڈاکٹر سید کامران کاظمی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

After the failure of independence war in 1857 the British fully subjugated the sub-continent. Every school of thought raised its voice against British mischievous imperialism. Saadat Hassan Manto is also one of the most important literary figures who raised his voice against the prevailed darkness by the British. Most of his stories such as Tamasha, Khooni thook, Inqilab Pasand, Deewana shayar, Naya Qanoon, depicted the so called judicial justice and the violence, tyranny, government's feigns, despotic surg of occupation, machination and deceits of the British rule.

Keywords:

Manto, Shortstory, Imperialism, Rebellion, Freedom, Sub-continent, British

۱۸۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد استعماری حکمران پورے برصغیر پر قابض ہونا شروع ہو گئے لیکن برصغیر کی عوام کے دلوں میں نفرت کی چنگاریاں مسلسل بھڑکتی رہیں، ان چنگاریوں نے آہستہ آہستہ شعلوں میں تبدیل ہونا شروع کر دیا اور استعماری نظام کے خلاف نفرت کا یہ لاوا ۱۸۵۸ء کی جنگ آزادی کی صورت میں نمودار ہوا لیکن یہاں بھی ناکامی کا سامنا پڑا۔ ۱۸۵۸ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انتقامی کارروائیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جن کا سامنا صرف مسلمانوں کو ہی کرنا پڑا۔ اس کے بعد سر سید احمد خاں نے رسالہ 'اسباب بغاوت ہند' لکھ کر مسلمانوں کے لیے انگریزوں کے دلوں میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی جو کافی حد تک کامیاب رہی۔

آزادی کی تحریک برصغیر تک ہی محدود نہ رہی بلکہ افریقہ تک اس کی گونج سنائی دینے لگی۔ اس وقت افریقہ بھی برطانوی استعماری نظام کے زیر تسلط تھا۔ افریقہ میں آزادی کی تحریک نے اُس وقت زور پکڑا جب مہاتما گاندھی کو Durban سے Pretoria جاتے ہوئے آدھی رات کے وقت ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے سے

Pieter Maritzburg کے اسٹیشن پر یہ کہہ کر اتار دیا گیا کہ کوئی ہندوستانی فرسٹ کلاس ڈبے میں سفر نہیں کر سکتا۔ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر امریکی مصنف (Larry Collins) اور فرانسیسی مصنف (Dominique Lapierre) نے اپنی کتاب (Freedom At Midnight) میں کیا ہے۔ مہاتما گاندھی نے افریقہ میں آزادی کی تحریک کی ابتدا کی اور اس تحریک نے برصغیر میں شروع ہونے والی آزادی کی تحریک میں مزید شدت پیدا کی۔ اس کے بعد برصغیر سیاسی انتشار کا شکار ہوا اور استعماری حکمرانوں کے ظلم کے ساتھ ساتھ برصغیر میں سیاسی ہلچل شروع ہو گئی۔ سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریاں، ہنگامہ آرائی، جلاؤ گھیراؤ، استعماری نظام حکومت کے خلاف جلسے اور جلسوں پر پابندیاں، ۱۹۱۹ء کی تحریک خلافت اور ۱۹۱۹ء میں ہی ناقابل فراموش سانحہ جلیانوالہ باغ وغیرہ نے برصغیر کی سیاسی تاریخ کا رخ موڑ دیا لہذا ان حادثات و واقعات نے سماج، صحافت، سیاست اور ادب پر اپنے گہرے اثرات ثبت کیے۔

اُردو ادب میں استعماری نظام کے خلاف بھرپور آواز اٹھانے والوں میں ترقی پسند فکشن نگاروں کا کردار انتہائی اہم اور نمایاں رہا ہے۔ اُردو فکشن نگاروں نے برصغیر کی عوام کے جذبات و احساسات کی بھرپور اور خوبصورت انداز سے عکاسی کی ہے۔ ان فکشن نگاروں میں ایک نام سعادت حسن منٹو کا ہے جن کے لکھنے کی ابتدا ہی ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ہوئی۔ منٹو کے افسانوں میں استعماریت کے خلاف بغاوت کا موضوع کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اُردو افسانے کی ابتدا ہی استعماریت کے خلاف لکھے جانے والے افسانوں سے ہوئی اور پھر اُردو افسانہ ۵۴ سے ۵۵ء سال تک استعماریت کے دور میں ہی لکھا جاتا رہا۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ ”سوز و طن“ استعماریت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت تھی۔ افسانے سے پہلے دوسری اصناف موجود تھیں جیسے ڈراما، داستان، ناول، غزل، مضمون نگاری وغیرہ لیکن ان میں استعماریت کے خلاف آزادانہ اظہار نہیں کیا گیا بلکہ پیچیدہ اور مشکل علامتی اور استعاراتی انداز اپنایا گیا ہے۔ پریم چند کے ہم عصروں میں علامہ راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش بھی افسانہ لکھنے والوں میں بڑے نام شمار کیے جاتے ہیں لیکن انہیں شاید احساس نہیں ہوا کہ ہم استعماری نظام میں سانس لے رہے ہیں۔

اُردو ادب کے نقادوں کی ایک بڑی تعداد نے منٹو پر تحقیقی مضامین اور مقالے لکھے لیکن ان نقادوں نے منٹو کے افسانوں کو صرف جنس کے تناظر میں ہی پرکھا اور نیا قانون، جتک، دھواں، کالی شلوار، بابو گوپی ناتھ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، موذیل، سڑک کے کنارے، بو اور پھندنے کو ہی رگیدنے میں مصروف عمل رہے حالانکہ منٹو نے سینکڑوں افسانے تخلیق کیے جو بے شمار موضوعات کو سمیٹے ہوئے ہیں لہذا منٹو کے افسانوں پر جنسی نکتہ نظر سے لکھنا اور باقی موضوعات کو پس پشت ڈال دینا منٹو کے فن کے ساتھ نا انصافی ہوگی۔ منٹو کے افسانوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جن میں استعماری نظام کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا گیا۔ انہی افسانوں کی وجہ سے منٹو کو مشکلات کا

سامنا کرنا پڑا۔ جنسی افسانہ تو محض ایک بہانہ تھا۔ پروفیسر سجاد حارث نے استعماری حکمرانوں میں منٹو کی تحریروں سے پیدا ہونے والے خوف و ہراس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”انگریزوں کے کاسہ لیس قدامت پسند حلقوں کے اخبارات اور رسائل فحاشی کے جو الزامات منٹو پر لگا رہے تھے حکومت

وقت نے بروقت ان الزامات کا نوٹس لیا۔ نوآبادیاتی نظام میں استعماری حکمران یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ سیاسی احتساب اور دار و رسن کا سلسلہ مسلسل جاری رکھنا چاہیے کیونکہ اس ضمن میں ان کی کوتاہی رعایت اور غفلت شعاری سے حریت فکر، روشن خیالی، بغاوت اور انقلاب کا لاوا جمع ہو کر ان کے لیے نامساعد حالات اور مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔“^۱

منٹو کے سیاسی افسانے، ناول ”بغیر عنوان کے“ کا دیباچہ جو اہر لال نہرو کے نام لکھے گئے ایک خط کی شکل میں ہے، کچھ خاکے خاص طور پر جو باری علیگ کے بارے میں لکھا گیا، جس میں منٹو کی ابتدائی باغیانہ سرگرمیوں کا تذکرہ ملتا ہے، انکل سام کے نام خطوط وغیرہ منٹو کے سیاسی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنے ایک مضمون ”بغاوت کا استعارہ: منٹو“ میں منٹو کے سیاسی شعور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ منٹو ایک حساس محب وطن انسان ہے جو بے حد گہرا سیاسی شعور رکھتا ہے اور جو وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔^۲

منٹو نے جس دور میں آنکھ کھولی اُس دور میں استعماری نظام عروج پر تھا لیکن جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء) کے بعد اپنے زوال کی طرف رواں دواں ہونا شروع ہو گیا۔ استعماری نظام کے خلاف اٹھتی ہوئی آوازوں کے دھارے میں ایک آواز منٹو کی بھی تھی۔ منٹو نے اپنے ادبی سفر کا آغاز مترجم کی حیثیت سے کیا۔ سب سے پہلے منٹو نے Victor Hugo کے ڈرامے ”The last Day of the Condemned“ کو سرگزشت اسیر (۱۹۳۹ء) کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ ڈراما ۱۸۰۳ء میں نپولین کی وفات کے بعد لکھا گیا تھا۔ وکٹر ہیوگو نے اس میں فرانس میں موت کی سزا کے قانون (سزائے موت ہونی چاہیے یا نہیں) کے بارے میں لکھا جبکہ وکٹر ہیوگو سزائے موت کے خلاف تھا۔

اس کے بعد منٹو نے آسکر وائلڈ کا ڈراما ”ویرا“ کا ترجمہ کیا۔ ”ویرا“ کا ترجمہ کرنے میں منٹو کا دوست حسن عباس بھی ان کے ساتھ شامل تھا۔ یہ ڈراما انقلاب روس کے بارے میں لکھا گیا تھا اور اس میں روس کے ان باغیوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے جو انقلاب کے حامی تھے۔ منٹو اور ان کے دوستوں نے اس ڈرامے کے اشتہار بھی امرتسر کے گلی کوچوں میں چسپاں کیے۔ ان اشتہاروں پر عبارت درج تھی، مستبد اور جابر حکمرانوں کا عبرت ناک انجام روس کے گلی کوچوں میں صدائے انتقام زاریت کے تابوت میں آخری کیل۔^۳

یہ منٹو کی ابتدائی باغیانہ سرگرمیاں تھیں۔ اس کے بعد منٹو مسلسل اپنے افسانوں میں برصغیر پر مسلط کیے گئے استعماری نظام کے خلاف آواز بلند کرتا رہا۔ منٹو کا پہلا افسانوی مجموعہ ”آتش پارے“ (۱۹۳۹ء) بھی پریم چند کے پہلے افسانوی مجموعے ”سوز و ظن“ کی طرز پر استعماریت کے خلاف لکھے جانے والے افسانوں پر مشتمل ہے۔ منٹو

نے اس افسانوی مجموعے کا دیباچہ مختصر آ ان الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ افسانے دہلی ہوئی چنگاریاں ہیں۔ ان کو شعلوں میں تبدیل کرنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔ (۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء)۔ ۴

استعماریت کے خلاف چار افسانے (تماشا، خونی تھوک، انقلاب پسند، دیوانہ شاعر) منٹو کے اسی افسانوی مجموعے میں شامل ہیں۔ ”تماشا“ منٹو کا پہلا افسانہ ہے (روسی افسانے سے ماخوذ) اس افسانے میں منٹو نے ایک چھ سالہ بچے کے استعماریت کے خلاف خیالات و جذبات کو علامتی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس افسانے کا پس منظر جلیانوالہ باغ کا سانحہ ہے جس میں استعماری حکومت نے برصغیر کے ان لوگوں کا قتل عام کیا تھا جو استعماری حکومت کے خلاف ایک جلسہ کر رہے تھے۔ افسانے کے آخر میں خالد کی دعا افسانہ کا انتہائی اہم حصہ ہے جس میں خالد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے:

”اللہ میاں میں دعا کرتا ہوں کہ تو اس ماسٹر کو جس نے اس
لڑکے کو پیٹا ہے اچھی طرح سزا دے اور اُس چھڑی کو چھین
لے جس کے استعمال سے خون نکل آتا ہے۔“ ۵

افسانے کی یہ چند لائسنیں علاقیت اور معنویت سے بھر پور ہیں۔ لفظ ”ماسٹر“ استعماری آقاؤں کے لیے استعمال ہوا ہے اور ”بچے“ استعماری نظام کے زیر تسلط معصوم عوام کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس افسانے میں بچے میں انتقامی جذبے کی تصویر کشی ان الفاظ سے بخوبی ہوتی ہے:

”اپنے والد سے رخصت ہو کر خالد اپنے کمرے میں چلا گیا اور
ہوائی بندوق نکال کر نشانہ لگانے کی مشق کرنے لگا، تاکہ اس
روز جب ہوائی جہاز والے گولے پھینکیں، تو اس کا نشانہ خطانہ
جائے اور وہ پوری طرح انتقام لے سکے۔۔۔ کاش! انتقام کا یہی
نہا جذبہ ہر شخص میں تقسیم ہو جائے۔“ ۶

افسانہ ”خونی تھوک“ میں انگریزوں کا برصغیر کے مقامی باشندوں اور خاص طور پر مزدوروں کے ساتھ تضحیک آمیز رویے کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایک گورے کا خانسامے کے ساتھ رویہ، ایک قلی کے ساتھ بد سلوکی، اس کے بعد معمولی سی بات پر گورے کے ہاتھوں قلی کی موت اور انگریز سرکار کا اس گورے کو معمولی سے جرمانے کے

بعد رہا کر دینا، استعماری طاقت کے ظلم و ستم کی بالادستی کا استعارہ ہے۔ انگریز مسافر کی قلی کے ساتھ ہتک آمیز اور انسانیت سوز واقعہ کی عکاسی اس پیرائے میں موثر انداز سے کی گئی ہے:

”جو نہیں اب۔۔۔ کتے کی طرح چلائے جا رہا ہے۔“ یہ سن کر
 قلی غصے سے بھرا ہوا مسافر کی طرف بڑھا۔ مسافر نے پورے
 زور سے اس کے بڑھے ہوئے سینے میں نوکیلے بوٹ سے ٹھوک کر
 لگائی، ٹھوک کھاتے ہی قلی چکراتا ہوا سنگین فرش پر گر کر بے
 ہوش ہو گیا۔“

اس کے بعد قلی کی موت واقع ہو جاتی ہے اور اُس انگریز مسافر کو پولیس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ استعماری طاقت کے ظلم اور نا انصافی کی صورت گری ان الفاظ سے ہوتی ہے:

”خالد اور مسعود نے لاش دوسرے آدمی کے حوالے کر کے
 مسافر کو پکڑ کر پولیس کے سپرد کر دیا۔ مسافر کا مقدمہ دو مہینے
 تک متواتر عدالت میں چلتا رہا۔ آخر فیصلہ سنا دیا گیا۔ فاضل جج
 نے ملزم کو معمولی جرمانے کے بعد بری کر دیا۔ فیصلے میں یہ لکھا
 تھا کہ قلی کی موت اچانک تلی پھٹ جانے سے واقع
 ہوئی۔ فیصلہ سناتے وقت خالد اور مسعود بھی موجود تھے۔ ملزم
 ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔“ ۸

ملزم کی اس مسکراہٹ میں بھی تلخ استعماری ظلم عیاں ہے۔ ملزم کی مسکراہٹ ایک وسیع سیاسی سماجی اور استعماری استعارہ ہے۔ یعنی تمہاری زندگی اور موت بھی ہمارے ہاتھوں لکھی ہے۔ سیاست قانون اور عدالت سب ہماری ہیں۔ یہ غلامی آج تک جاری و ساری ہے۔ علی سردار جعفری اپنے ایک مضمون ”بد زبان“ میں لکھتے ہیں:

”آپ منٹو سے ادبی اور نظریاتی اختلاف کتنا ہی رکھیں، اس
 کے خلوص، دیانتداری، انسانیت دوستی، حب الوطنی اور
 سامراج دشمنی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔“ ۹

افسانہ ”انقلاب پسند“ میں بھی استعماری نظام پر بھرپور تنقید کی گئی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار سلیم ہے جو اپنی جو شبلی تقریر کے ذریعے استعماری نظام کے زیر تسلط معاشرے کی حقیقی تصویریں عوام کو دکھانا چاہتا ہے لیکن لوگ اُس حقیقت پسندی میں پوشیدہ پیغام کو سمجھ نہیں سکے۔ افسانے میں اُس موجودہ نظام کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”جانتے ہو موجودہ نظام کے کیا معنی ہیں؟ یہ کہ لوگوں کے
 سینوں کو جہالت کدہ بنائے انسانی تعزیر کی کشتی ہو اور ہوس کی

موجوں میں بہادے جوان لڑکیوں کی عصمت چھین کر انہیں
ایوان تجارت میں کھلے بندوں حسن فروشی پر مجبور کر
دے۔ غریبوں کا خون چوس کر انہیں جلی ہوئی راکھ کی مانند
قبر کی مٹی میں یکساں کر دے۔۔۔ کیا اسی کو تم تہذیب کا نام
دیتے ہو۔ بھیا تاک، قصباتی اتاریک شیطنت!!!۔ ۱۰

افسانہ ”دیوانہ شاعر“ میں منٹونے جلیانوالہ باغ کے ایک چشم دید گواہ کی کہانی بیان کی ہے جو اُس جگہ پر
بیٹھا ہے جہاں انگریز فوج نے سینکڑوں مسلمان، ہندو اور سکھوں کا قتل عام کیا تھا۔ اُس کے اندر بدلے کی آگ سُنگ
رہی ہے جس نے اُس کی طبیعت میں ایک بے چینی اور پلچل پیدا کر دی ہے:

”یہ انتقام ہے جو اندر گرم سانس لے رہا ہے۔ میں اس دہی
ہوئی آگ کو اپنے گیتوں کے دامن سے ہوا دے رہا ہوں کہ یہ
شعلوں میں تبدیل ہو جائے“۔ ۱۱

یہ دیوانے شاعر کے جذبات تھے۔ دیوانہ شاعر سرعام جو گیت گاتا پھرتا ہے اُس میں انقلاب کی جھلک
بہت واضح ہے:

”میں آہوں کا بیوپاری ہوں
لہو کی شاعری میرا کام ہے
چمن کی ماندہ ہواؤ!
اپنے دامن سمیٹ لو۔۔۔ کہ
میرے آتشیں گیت

دبے ہوئے سینوں میں ایک تلاطم برپا کرنے والے ہیں
میں ان لاشوں کا گیت گاتا ہوں

زمین ستاروں کی طرح لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہے
اٹھو اور ان نگینوں کو اس کے ننگے سینے پر جڑو
ڈھاؤ، کھو دو، چیر دو، مارو

نئی دنیا کے معمارو! کیا تمہارے بازوں میں قوت نہیں ہے؟“

۱۲

افسانہ ”۱۹۱۱ء کی ایک بات“ استعماری نظام کے خلاف ہونے والی جدوجہد میں ہر طبقے کی نمائندگی کو
ظاہر کرتا ہے۔ استعماری نظام کے خلاف ہر طبقے کے لوگوں نے آواز بلند کی اور قربانی دی۔ افسانے سے ظاہر ہوتا ہے

کہ معاشرے کے ایسے افراد جن کا سیاست میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، حکومت کے تمام معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں اور معاشرے میں بھی جنہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ان کے دلوں میں بھی وطن سے محبت کے جذبات ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنے وطن پر غیر ملکی تسلط کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس غیر ملکی تسلط کو ختم کرنے کے لیے وہ اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔

افسانہ ”سوراج کے لیے“ میں منٹو نے ایک انقلابی غلام علی اور اُس کی محبوبہ نگار کی کہانی بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس افسانے میں امرتسر کی انقلابی فضا کا بھی نقشہ دلکش انداز سے بیان کیا ہے۔ افسانے میں منٹو کے اپنے انقلابی ذہن کی فکر بھی بہت واضح ہو جاتی ہے:

”میرا حال بھی ان دنوں بہت دگرگوں تھا۔ جی چاہتا تھا کہ
کہیں سے پستول ہاتھ آجائے تو ایک دہشت پسند پارٹی بنائی

جائے۔ باپ گورنمنٹ کا پٹیشن خوار تھا۔ اس کا مجھے کبھی خیال
نہ آیا بس دل و دماغ میں ایک عجیب قسم کی کھدب
رہتی۔۔۔“ ۱۳

افسانہ ”نیا قانون“ ایک سیدھے سادے کردار منٹو کو چوان کی کہانی ہے۔ پوری کہانی میں منٹو کو چوان کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ منٹو کو چوان کے اعصاب پر گورے اور اُن کے خلاف نفرت کا غبار اس حد تک سوار ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اپنی اسی نفرت کے بارے میں یاد دہستوں سے تذکرہ کرتا رہتا ہے لیکن نئے قانون کی آمد کے بارے میں سننے کے بعد منٹو کو چوان کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور نئے قانون کو گوروں اور اُن کی استعماری حکومت سے نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ منٹو کو چوان جب نئے قانون کے بارے میں دوسرے لوگوں کی گفتگو سنتا ہے تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا ہے۔ کہانی میں منٹو کو چوان کی خوشی اور گوروں سے نفرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”وہ بے حد مسرور تھا خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت
ٹھنڈک پہنچی جب وہ خیال کرتا کہ گوروں۔۔۔ سفید چوہوں
(وہ ان کو اسی نام سے یاد کرتا تھا) کی تھو تھنیاں نئے قانون
کے آتے ہی بلوں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔“ ۱۴
ڈاکٹر ناصر عباس نیوز، منٹو کے استعماری نظام کے خلاف انداز فکر کو ان الفاظ میں کیا ہے:

Manto interrogates both language and
practices of colonial power in many
ways. Sometimes, he writes on the effects
of colonial policies on the low strata of

colonial India(as in 'Naya Qanoon'), at other times he narrates the life under colonial rule in subversive way. In his stories, he seeks to decentre the claim of centrality of colonial power,...(15)

یہ تھا منٹو اور ان کے فکشن کا استعماری نظام کے خلاف ایک رد عمل۔ منٹو نے اپنے تراجم، مضامین اور افسانوں کے ذریعے ان لوگوں کی نمائندگی کی ہے جو محب وطن تھے اور اپنے ملک پر غیر ملکی تسلط، جو استعماری نظام کی شکل میں تھا، کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ برصغیر کی عوام نے اس استعماری حکومت کے خلاف ایک طویل جنگ لڑی اور آخر کار آزادی جیسی نعمت سے ہمکنار ہوئے۔ آج ان افسانوں کے کردار برصغیر کی عوام کو بھلائے نہیں بھولتے۔ ایسے ہی افسانے منٹو کو استعماری قوت کے خلاف بغاوت کی علامت ثابت کرتے ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ سجاد حارث، پروفیسر، منٹو کے سیاسی افسانے، مشمولہ، منٹو کے سیاسی افسانے، ترتیب و تحقیق، تنویر عباس نقوی، دعا پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد، ص ۹۱-۰۲
- ۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، بغاوت کا استعارہ: منٹو، مشمولہ، منٹو کیا تھا؟، مولفہ غلام زہرا، برائٹ بکس، لاہور اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۶۹۱
- ۳۔ منٹو، سعادت حسن، گنجے فرشتے، ساتی بک ڈپو، دہلی، ۳۸۹۱ء، ص ۵۸
- ۴۔ منٹو، سعادت حسن، آتش پارے، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، سن ندارد، ص ۵
- ۵۔ منٹو، سعادت حسن، تماشا، ص ۸۱
- ۶۔ ایضاً، ص ۱۷
- ۷۔ منٹو، سعادت حسن، خوبی تھوک، ص ۹۱
- ۸۔ منٹو، سعادت حسن، ص ۲۲، ۳۲
- ۹۔ جعفری، علی سردار، بد زبان، مشمولہ منٹو کیا تھا؟ مولفہ، ص ۴۴۲
- ۱۰۔ منٹو، سعادت حسن، انقلاب پسند، مشمولہ آتش پارے، ص ۹۳
- ۱۱۔ منٹو، سعادت حسن، دیوانہ شاعر، ص ۸۹
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹، ۲۰، ۰۹
- ۱۳۔ منٹو، سعادت حسن، سورج کے لیے، مشمولہ، نمرود کی خدائی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۱۱
- ۱۴۔ منٹو، سعادت حسن، نیا قانون، مشمولہ، منٹو کے افسانے، علی میاں پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۶۱

<https://www.thenews.com.pk/tns/detail/manto-poetics-anti-colonialism>, .